مولانا سید ابوالحسن علی کی اقبال شناسی

ڈاکٹر محمد صدیق شبلی ☆

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ایک بلند پایہ عالم ومفکر اور جہانِ اسلام کی ایک نابغہ روزگار ہستی تھے ۔ مغرب ومشرق میں ان کے تبحر علمی ، اصابت رائے اور بلندی کردار کا اعتراف کیا گیا اور کیا جا رہا ہے ۔ اسی بنا پر علمی دنیا میں انہیں بے حد احترام نصیب ہوا ۔ اسلام اور مسلمان ہمیشہ ان کی تقریر وتحریر کے محور ومرکز رہے ۔ انہوں نے مسلمانوں کے ذہن اجالنے کو ایک مقدس مشن سمجھ کر انجام دیا اور اپنی ساری زندگی اسی مشن میں صرف کر دی ۔ قرآن وحدیث ، تاریخ تہذیب ، مذہب وتمدن تصوف وسلوک ، تبلیغ ودعوت ، سیر وسوانح ان کے محبوب موضوع تھے ۔ ان کی شاہکار تصانیف انہی موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں ۔

انہیں علامہ اقبال سے بھی گہری عقیدت تھی ۔ اس کی ایک وجہ تو فکر اقبال سے ان کی وابستگی تھی دوسرے وہ شعر اقبال کی دل کشی پر بھی فریفتہ تھے ۔ مولانا مرحوم نے روائع اقبال کے نام سے ایک کتاب عربی میں تحریر کی ۔ یہ کتاب اقبال کے فکر وفن پر مقالات کا مجموعہ ہے ، روائع اقبال کا مقصد فکر اقبال کو عربوں میں روشناس کرانا تھا ۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ نقوش اقبال کے نام سے ہوا ، یہ ترجمہ مولانا کی نظر سے گذرا اور اسے ان کی تائید بھی حاصل ہوئی ۔ مولانا نے اس میں کچھ اضافے بھی کیے ۔ اس مجموعے کا ایک مقالہ ’’ کلام اقبال میں تاریخی حقائق واشارات ‘‘ تو مولانا کے قلم سے اردو ہی میں نکلا ۔

عرب ممالک میں مولانا کی آمد ورفت اکثر رہتی تھی ۔ عربی مجلات بھی ان کے پاس بکثرت تھے ۔ مولانا کو اس بات کا بڑا دکھ تھا کہ ان مجلّات میں ہندو شاعر ٹیگور کا ذکر زیادہ نظر آتا ہے ۔ عرب ادیب ٹیگور کے بہت گرویدہ تھے ۔ لیکن وہ اقبال سے متعارف نہیں تھے ۔ اس

☆ سابق ڈین کلیہ علوم اسلامیہ وشرقیہ وحال صدر شعبہ اقبالیات علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد ۔

صورت حال نے مولانا کو عالم عرب میں اقبال کو روشناس کرانے پر آمادہ کیا۔ علاوہ ازیں ایک عرب ادیب علی طنطاوی نے دمشق کے مجلّہ المسلمون میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کے نام ایک کھلا خط شائع کیا، جس میں انہیں اس کام کی طرف متوجہ کیا۔ مولانا نے انہی تقاضوں کے پیش نظر اقبال پر عربی میں مضامین لکھنے شروع کیے۔ یہ مضامین مصر وشام کی علمی مجالس میں پڑھے گئے۔ عربی مجلات میں شائع ہوئے اور ریڈیو سے نشر بھی ہوئے، روائع اقبال انہی مضامین پر مشتمل ہے۔

ان مضامین کے اولیں مخاطب چونکہ عرب تھے اور وہ اقبال اور فکر اقبال سے شناسائی نہیں رکھتے تھے، اس لیے مولانا نے روائع اقبال میں کلام اقبال کے ان حصوں کو خصوصیت سے شامل کیا جو عربوں سے متعلق تھے، مثلاً مسجد قرطبہ، ذوق وشوق، طارق کی دعاء، ابوجہل کی نوحہ گری، بلاد عربیہ کے نام؛ ''حرفے چند باامت عربیہ'' وغیرہ ان کے عربی میں نثری تراجم دیئے گئے ہیں۔ سوانح وفکر اقبال کے ساتھ ساتھ اقبال کی چند شاہکار نظموں کے عربی میں ترجمے سے اقبال کا تعارف مکمل اور مؤثر انداز میں ہوا ہے۔ اقبال پر عربی زبان میں لکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:

''مشرق اوسط میں مغربی فلسفہء وتہذیب کے حد سے بڑھے ہوئے اثرات میری نظر میں تھے اور میں دیکھتا تھا کہ عالم اسلامی کس طرح جاہلیت قدیم وجدید کے دوراہے پر آکھڑا ہے، جہاں ایک طرف حد سے بڑھی ہوئی قومیت ہے تو دوسری طرف ''اشتمالیت واشتراکیت''، لیکن ایسے اہل قلم نایاب ہوتے جارہے ہیں جو اپنی تمام فکری صلاحیتوں کو اس جاہلیت کے خلاف جنگ میں صرف کردیتے جو اس فکری ارتداد کے خلاف صف آرا ہوجاتے جو تعلیم یافتہ طبقے کو اپنی گرفت میں لیتا جارہا ہے. مغرب کی یلغار نے عالم اسلام کی فضا کو مسمم اور مکرر کررکھا تھا

مولانا نے اس فضا کے اثرات کو فکر اقبال کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کی۔ روائع اقبل کو عرب دنیا میں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔ کتاب کی اس مقبولیت کے پیش نظر اس کے اردو ترجمے پر اصرار کیا گیا، لیکن مولانا اس کے لیے راضی نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اردو میں اقبالیات کا ایک وقیع سرمایہ موجود ہے اس کے ہوتے ہوئے اس کتاب کے ترجمے کی ضرورت

نہیں ،مولانا اس کو مبتدیانہ نوعیت کی کتاب سمجھتے تھے ،لیکن یہ ان کی خاکساری اور کسر نفسی تھی ۔ یہ کتاب ایک بلند پایہ عالم کے قلم سے نکلی تھی جس نے اقبال کے افکار کو پوری دیانت داری اور حجت کے ساتھ ، بغیر کسی الجھاؤ کے پیش کیا تھا ، یہی وجہ ہے کہ جب نقوش اقبال کے نام سے روائع اقبال کا اردو ترجمہ شائع ہوا تو علمی حلقوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مولانا نے فکر اقبال کا جائزہ اپنے مخصوص زاویہ نظر سے لیا تھا اور فکر کا یہ زاویہ اقبال کی سوچ سے بڑی مطابقت رکھتا ہے ۔ مولانا نے فکر اقبال پر نہ تو حاشیے چڑھائے ہیں اور نہ اسے کسی پہلے سے تیار چوکھٹے میں فٹ کرنے کی کوشش کی ہے ۔

مولانا ندوی نے اقبال کے حالات زندگی کی تصویر ایک ماہر مصور کی طرح کھینچی اور زیادہ تفصیل میں جائے بغیر اقبال ،اس کے عہد وآثار کو مؤثر انداز پیش کر دیا ہے ۔

اقبال کے ذہنی ارتقاء پر بہت سے اقبال شناسوں نے توجہ کی ،مولانا ابوالحسن ندوی نے اقبال کی شخصیت کے تخلیقی عناصر کے عنوان سے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے ۔

وہ خارجی کے ساتھ ساتھ داخلی عوامل پر بھی زور دیتے ہیں ، بلکہ انہیں زیادہ اہم قرار دیتے ہیں ۔ داخلی عوامل کو وہ داخلی مدرسہ قرار دیتے ہیں ،جس میں اقبال کی شخصیت کی تشکیل ہوئی ۔ ان میں سے پہلا عنصر ایمان وعشق کا ہے ، ایمان اسلام کی حقانیت پر اور عشق رسول ﷺ کی ذات بابرکات کے ساتھ ۔ مادیت کے اس دور میں اسی ایمان وعشق کی بدولت اقبال کے پائے استقامت لغزش سے محفوظ رہے اور انہی دو کی بدولت اقبال کے کلام میں یہ جوش یہ ولولہ اور یہ سوز وگذار پیدا ہوا ۔ اقبال کی شخصیت کو بنانے والا دوسرا عنصر مولانا کے نزدیک قرآن مجید ہے ۔ اقبال کی زندگی پر یہ زندہ کتاب جس قدر اثر انداز ہوئی ہے کسی اور کتاب نے انہیں اتنا متاثر نہیں کیا ۔ ان کی پوری زندگی حکمت قرآن پر غور وفکر کرتے گذری ۔ مولانا عرفان نفس یا خودی کو اقبال کی تعمیر شخصیت میں تیسرا عنصر قرار دیتے ہیں ۔ جب تک انسان کو عرفان نفس حاصل نہ ہوا اس وقت اس کی زندگی میں نہ سوز ومستی ہے اور جذب وشوق ۔ وہ چوتھا عنصر جس نے اقبال کی شخصیت کو پروان چڑھایا ، اقبال کی آہ سحر گاہی ؟ اس کا سرچشمہ ہے ۔ اس سے فکر اقبال کو ایک نئی توانائی حاصل ہوئی ۔ مولانا ابوالحسن علی کے نزدیک مثنوی مولانا روم وہ پانچواں عنصر ہے جس

سے اقبال کی شخصیت نے جلا پائی ۔ مولانا نے اقبال کے ذہنی ارتقاء میں مؤثر جن عناصر کی نشاندہی کی ہے، ہمارے اکثر اقبال شناسوں کا ذہن ان تک نہیں پہنچتا.

مولانا کی دینی بنیاد چونکہ مضبوط تھی، اس لیے انہوں نے اقبال کی شخصیت کے تخلیقی عناصر کا تجزیہ اسی حوالے سے کیا ہے.

مولانا مغربی تہذیب وثقافت پر اقبال کی تنقید کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، ان کے خیال میں گذشتہ صدی میں جدید طبقے کے اندر ان سے بڑا کوئی دیدہ ور پیدا نہیں ہوا، جس نے اس جرأت مندی کے ساتھ مغربی تہذیب کی کمزوریوں کو بے نقاب کیا ہو۔ اقبال کو پورا یقین ہے کہ مغربی تہذیب کی تقلید ممالک اسلامیہ کے مسائل حل کرسکتی ہے اور نہ ان مین نئی زندگی کی کوئی روح پھونک سکتی ہے، جو تہذیب اپنی موت آپ آرہی ہو۔ وہ دوسروں کو کیا زندگی دے سکتی ہے۔ اقبال خود مغرب کے تعلیمی نظام کے پروردہ تھے، اس لیے اس نظام پر ان کی تنقید زیادہ معتبر نظر آتی ہے، کیونکہ وہ خود دانش حاضر کے عذاب سے گزرے تھے.

اقبال کے انسان کامل کی توضیح کرتے ہوے مولانا نے بڑے اہم نکتے بیان کیے ہیں ۔ ان کے خیال میں اقبال انسان کامل ایک سچا اور مثالی مسلمان ہے، یہ انکشاف واقعی چونکا دینے والا ہے، کیونکہ اس موضوع پر اقبال شناسوں نے بڑی نکتہ طرازیاں اور فلسفہ بافیاں کی ہیں اور ان سب کے پیش نظر یہ آئیڈیل انسان کی پہنچ سے بالکل باہر ہو جاتا ہے اور اس سے انسانوں کی دل چسپی اس میں کم ہو جاتی ہے، لیکن مولانا کی تعبیر اس تصور کو ماورا آئیڈیل کے دھندلکوں سے نکال کر سامنے لاتی ہے اور اسے پرکشش بناتی ہے۔ اقبال کے اس مرد مؤمن کو اس کے ایمان ویقین کی ناقابل تسخیر قوت اپنے ہم جنسوں سے ممتاز کر دیتی ہے۔ مولانا اس انسان کے وجود ایمانی کو اس کے وجود انسانی پر ترجیح دیتے ہیں، کہ ان کے نزدیک اُسی سے دنیا کی بقا وابستہ ہے۔ مولانا اقبال کے اس خیال کی تائید کرتے ہیں کہ:

عالم ہے فقط مؤمن جانباز کی میراث
مؤمن نہیں جو صاحب لولاک نہیں

مولانا فرماتے ہیں، مطلق العنان شخص سلطنتوں کے مظالم اور مسلسل جنگوں کے نتیجے میں لوگوں کے اندر زندگی سے بیزاری، مستقبل کے بارے میں مایوسی اور نفی ذات کے رجحانات پیدا ہو گئے تھے۔ رومی کی توانا شاعری نے ان رجحانات کا قلع قمع کیا اور لوگوں کے اندر زندگی سے محبت اور رجائی رویوں کو فروغ دیا۔ نئی تہذیب اور اس کے لادینی فلسفے سے جو حیات کش رجحانات پیدا ہوئے اقبال کی شاعری نے رومی کی طرح ان کو ختم کیا اور دنیا کو امید کا پیغام دیا۔ انسان کو خود اعتمادی کا درس دیا۔ اقبال کی یقین آفرینی نے انسان کو اپنے بے پناہ امکانات کی طرف متوجہ کیا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنے عرب مخاطبین کو علامہ کی بعض نظموں سے بھی متعارف کرایا ہے۔ ان میں ذوق وشوق، مسجد قرطبہ، ابلیس کی مجلس شوری شامل ہیں، یہ تینوں نظمیں ایک طرف اقبال کے شاعرانہ فن کا شاہکار ہیں اور دوسری طرف پیام اقبال کی بہترین ترجمان ہیں۔ ذوق وشوق اور مسجد قرطبہ کی داخلی فضا عربوں کے لیے خصوصیت سے بڑی پُرکشش ہے۔ مولانا نے ان نظموں کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ ان نظموں میں اقبال کے فکر وفن کا بہترین امتزاج ملتا ہے۔ اقبال نے ایک نظم ''حرفے چند با امت عربیہ'' کے عنوان سے لکھی ہے۔ مولانا نے اس نظم کو بھی اپنے عرب قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ اقبال نے اس نظم میں عربوں کے بارے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا ہے، مولانا نے اس کو اجاگر کیا، اقبال نے عربوں کی عظمت وفضیلت کا اعتراف کیا، لیکن انہیں مغربی تہذیب اور فرنگی سیاست کی فریب کاریوں سے خبردار بھی کیا۔ مولانا ندوی نے اس نظم کے مطالب کا تجزیہ بڑے مؤثر انداز میں کیا ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی بنیادی طور پر ایک عالم تھے اور ان کی تصانیف کی ایک عالمانہ شان ہے۔ ان میں حقائق کی جمع آوری، ان کا تجزیہ وتحلیل اور نتائج کا استخراج ملتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اعلیٰ پائے کے ادیب بھی تھے، ان کی تحریروں میں تحقیق کی خشکی کی بجائے ادب کی چاشنی ملتی ہے، نیز خطابت اور ادبیت کی خصوصیات نے ان کی نثر کو دلکش اور مؤثر بنا دیا ہے۔ مولانا کا ایک شاہکار ادبی مضمون اقبال فی مدینۃ الرسول ہے۔ مولانا ارمغان حجاز کو اقبال کے مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے خیالی سفر کی روداد قرار دیتے ہیں اور انہوں نے ارمغان کے مختلف

حصوں سے اقبال کے اس روحانی سفر کی تفصیل مرتب کی ہے اور ہر حصے کو بڑے دلکش بیانیوں کے ساتھ دوسرے سے مربوط کیا اور یہ ایک طرح سے ارمغان کی ڈرامائی تشکیل ہے، جو مولانا کے ذہن رسا اور توانا تخیل کا ثمر ہے۔

دینی حلقے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی پہلے بلند پایہ عالم ہیں جو اقبال سے متاثر ہوئے اور ان کے بقول میری نشو ونما اس عہد میں ہوئی جب اقبال کا فن شہرت کے بام عروج پر پہنچ چکا تھا۔ اقبال کا اپنے عہد پر جو اثر تھا اس کی مثال کسی زمانے کے شاعر وادیب میں نہیں ملتی۔'' مولانا کو فکر اقبال اس لیے پسند ہے کہ وہ بلند نظری، عالی حوصلگی اور احیائے اسلام کی دعوت دیتا ہے۔ اور تعمیر انفس وآفاق کے لیے ابھارتا ہے۔ وہ مہر و وفا کے جذبات کو غذا دیتا ہے، ایمانی شعور کو بیدار کرتا ہے اور محمد ﷺ کی عظمت اور ان کے پیغام کی آفاقیت وابدیت پر ایمان کو مستحکم کرتا ہے۔

مولانا دو بار علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اقبال کے ساتھ ان کی پہلی ملاقات ۱۹۲۹ء میں ہوئی، جب ان کی عمر صرف سولہ سال کی تھی، ان کی دوسری ملاقات ۱۹۳۷ء میں علامہ کی وفات چند مہینے پہلے ہوئی۔ یہ طویل ملاقات تھی اور علامہ نے بہت دیر تک مولانا سے گفتگو کی اور شعر جاہلیت، یونانی فلسفہ الہیات، یورپ کی ترقی، عجمی تخیلات، صوفیہ کے غلو سے لیکر ہندوستان میں اسلام کے تجدید واحیا اور مسلمانوں کے آزاد وطن کی ضرورت کے بہت سے موضوعات پر اظہار خیال فرمایا۔ ان ملاقاتوں سے اقبال کے ساتھ مولانا کی ارادت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مولانا نے علامہ اقبال پر مستقل کتاب تو ایک ہی لکھی ہے، لیکن ان کی بعض کتابوں پر اقبال کے اثرات یا کم ازکم ان کے فکری اشتراک کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً تاریخ دعوت وعزیمت مسلمانوں کی فکری تاریخ ہے۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج زوال کا اثر، تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش اور قادیانیت ایسے موضوعات ہیں جن سے اقبال کو بھی دلچسپی رہی ہے مختصراً یہ مولانا کی نثریں شعر اقبال کی گونج سناتی ہیں

روائع اقبال کا کینوس بظاہر محدود نظر آتا ہے اور اس کے دائرہ مخصوص تھے۔ اس

کتاب میں فکر اقبال کے تمام اہم مباحث آگئے ہیں، یہ کتاب اقبال شناسی کے لیے یکساں مفید ہے۔ اور اس کے ذریعے مولانا کی اقبال شناسی کا فیض سب تک پہنچ رہا ہے۔

☆..........................☆